

تَسْأُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۲﴾ حَافِظُوا
عَلَى الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَفُؤُومُوا لِلَّهِ قَنِتِينَ ﴿۲۶۳﴾
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَدْكُرُوا اللَّهَ
كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۶۴﴾ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ
مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا صَبِيحَةً لَّا رِزْوَانَهُمْ مَّتَاعًا

آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ [۲۶۱] تمہارے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ اپنی نمازوں کی نگہداشت [۲۶۲] رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو۔ [۲۶۳] اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو، جیسے فرماں بردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ بد امنی کی حالت ہو، تو خواہ پیدل ہو، خواہ سوار، جس طرح ممکن ہو، نماز پڑھو۔ اور جب امن میسر آ جائے، تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو، جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔
تم میں سے [۲۶۴] جو لوگ وفات پائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں، ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں

[۲۶۱] یعنی انسانی تعلقات کی بہتری و خوشگوار کی لیے لوگوں کا باہم فیاضانہ برتاؤ کرنا ضروری ہے۔ اگر ہر ایک شخص ٹھیک ٹھیک اپنے قانونی حق ہی پر اڑا رہے، تو اجتماعی زندگی کبھی خوشگوار نہیں ہو سکتی۔

[۲۶۲] قوانین تمدن و معاشرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس تقریر کو نماز کی تاکید پر ختم فرماتا ہے، کیونکہ نماز ہی وہ چیز ہے جو انسان کے اندر خدا کا خوف، نیکی و پاکیزگی کے جذبات اور احکام الہی کی اطاعت کا مادہ پیدا کرتی ہے اور اسے راستی پر قائم رکھتی ہے۔ یہ چیز نہ ہو تو انسان کبھی الہی قوانین کی پابندی پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور آخر کار اسی نافرمانی کی رو میں بہہ نکلتا ہے جس پر یہودی بہہ نکلے۔

[۲۶۳] اصل میں لفظ ”صَلَاةِ الْوَسْطَىٰ“ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد بعض مفسرین نے صبح کی نماز ہی ہے، بعض نے ظہر، بعض نے مغرب اور بعض نے عشاء۔ لیکن ان میں سے کوئی قول بھی نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ صرف اہل تاویل کا استنباط ہے۔ سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے اسی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن جس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر نبی ﷺ کو مشرکین کے حملے نے اس درجہ مشغول رکھا کہ سورج ڈوبنے کو آ گیا اور آپ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ ”خدا ان لوگوں کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے، انہوں نے ہماری صلوٰۃ وسطیٰ فوت کرادی۔“ اس سے یہ سمجھا گیا کہ آپ نے نماز عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ فرمایا ہے، حالانکہ اس کا یہ مطلب ہمارے نزدیک زیادہ قرین صواب ہے کہ اس مشغولیت نے اعلیٰ درجے کی نماز ہم سے فوت کرادی، نا وقت پڑھنی پڑے گی، جلدی جلدی ادا کرنی ہوگی، خشوع و خضوع اور اطمینان و سکون کے ساتھ نہ پڑھ سکیں گے۔

وسطیٰ کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں اور ایسی چیز کے بھی جو اعلیٰ اور اشرف ہو۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد بیچ کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور ایسی نماز بھی جو صحیح وقت پر پورے خشوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائے، اور جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں۔ بعد کا فقرہ کہ ”اللہ کے آگے فرماں بردار بندوں کی طرح کھڑے ہو، خود اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

[۲۶۴] سلسلہ تقریر اور ختم ہو چکا تھا، یہ کلام اس کے تہمتے اور شمیمے کے طور پر ہے۔

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي
 مَا فَعَلْنَا فِي أَنْفُسِنَا مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۳۰﴾
 وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾
 كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾
 أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
 فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى

۳۱۵
ع

یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں، تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ بھی کریں، اس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانہ ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہیں صاف صاف بتاتا ہے۔ امید ہے کہ تم سمجھ بوجھ کر کام کرو گے۔

تم نے [۲۲۵] ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ۔ پھر اس نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی [۲۲۶] حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر

[۲۲۵] یہاں سے ایک دوسرا سلسلہ تقریر شروع ہوتا ہے، جس میں مسلمانوں کو راہ خدا میں جہاد اور مالی قربانیاں کرنے پر ابھارا گیا ہے اور انھیں ان کمزوریوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جن کی وجہ سے آخر کار بنی اسرائیل زوال و انحطاط سے دوچار ہوئے۔ اس مقام کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ مسلمان اس وقت کے سے نکالے جاتے تھے، سال ڈیڑھ سال سے مدینے میں پناہ گزین تھے، اور کفار کے مظالم سے تنگ آ کر خود بار بار مطالبہ کر چکے تھے کہ ہمیں لڑنے کی اجازت دی جائے۔ مگر جب انھیں لڑائی کا حکم دے دیا گیا، تو اب ان میں سے بعض لوگ کسمسار ہے تھے، جیسا کہ چھبیسویں رکوع کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ اس لیے یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو اہم واقعات سے انھیں عبرت دلانی گئی ہے۔

[۲۲۶] یہ اشارہ بنی اسرائیل کے واقعہ خروج کی طرف ہے۔ سورہ مائدہ کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں مصر سے نکلے تھے۔ دشت و بیابان میں بے خانماں پھر رہے تھے۔ خود ایک ٹھکانے کے لیے بے تاب تھے۔ مگر جب اللہ کے ایما سے حضرت موسیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ظالم کنعانیوں کو ارض فلسطین سے نکال دو اور اس علاقے کو فتح کر لو، تو انہوں نے بزدلی دکھائی اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ نے انھیں چالیس سال تک زمین میں سرگرداں پھرنے کے لیے چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی ایک نسل ختم ہو گئی اور دوسری نسل صحراؤں کی گود میں بل کر اٹھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے انھیں کنعانیوں پر غلبہ عطا کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی معاملے کو موت اور دوبارہ زندگی کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

التَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۶۷﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَبِغٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۸﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ
 قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ
 وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۶۹﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ
 مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ لَهُمْ آتِئْتَنَا أَنْ نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ قَالِ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا
 قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ
 دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا
 مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۷۰﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ

وقف لازم

بڑا افضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ مسلمانو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور خوب جان رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن^[۲۶۷] دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ پھر تم نے اس معاملے پر بھی غور کیا، جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا؟ انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔^[۲۶۸] نبی نے پوچھا: کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو؟ وہ کہنے لگے: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم راہ خدا میں نہ لڑیں، جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیے گئے ہیں۔ مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا، تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے، اور اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے

[۲۶۷] ”قرض حسن“ کا لفظی ترجمہ ”اچھا قرض“ ہے اور اس سے مراد خالص نیکی کے جذبے سے بے غرضانہ اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ میں نہ صرف اصل ادا کروں گا، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ دوں گا۔

[۲۶۸] یہ تقریباً ایک ہزار برس قبل مسیح کا واقعہ ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل پر عمالقہ چیرہ دست ہو گئے تھے اور انہوں نے اسرائیلیوں سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لیے تھے۔ سمونیل نبی اس زمانے میں بنی اسرائیل کے درمیان حکومت کرتے تھے، مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس لیے سرداران بنی اسرائیل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی اور شخص ان کا سربراہ کار ہو، جس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں۔ لیکن اس وقت بنی اسرائیل میں اس قدر جاہلیت آچکی تھی اور وہ غیر مسلم قوموں کے طور طریقوں سے اتنے متاثر

ہو چکے تھے کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے درخواست جو کی، وہ خلیفہ کے تقرر کی نہیں، بلکہ ایک بادشاہ کے تقرر کی تھی۔ اس سلسلے میں بائبل کی کتاب سموئیل اول میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

”سموئیل زندگی بھر اسرائیلیوں کی عدالت کرتا رہا۔ تب سب اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر امہ میں سموئیل کے پاس آئے اور اس سے کہنے لگے کہ دیکھ، تو ضعیف ہے اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے۔ اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر دے، جو اور قوموں کی طرح ہماری عدالت کرے... یہ بات سموئیل کو بری لگی اور سموئیل نے خداوند سے دعا کی اور خداوند نے سموئیل سے کہا کہ جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں، تو اس کو مان کیونکہ انہوں نے تیری نہیں، بلکہ میری حقارت کی ہے کہ میں ان کا بادشاہ نہ رہوں... اور سموئیل نے ان لوگوں کو، جو اس سے بادشاہ کے طالب تھے، خداوند کی سب باتیں کہہ سنائیں اور اس نے کہا کہ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے گا، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنے رتھوں کے لیے اور اپنے رسالے میں نوکر رکھے گا اور وہ اس کے رتھوں کے آگے دوڑیں گے اور وہ ان کو ہزار ہزار کے سردار اور پچاس پچاس کے جمہدار بنائے گا اور بعض سے بل جتوائے گا اور فصل کٹوائے گا اور اپنے لیے جنگ کے ہتھیار اور رتھوں کے ساز بنوائے گا اور تمہاری بیٹیوں کو گندھن اور باورچن اور نان پز بنائے گا اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں اور زیتون کے باغوں کو، جو اچھے سے اچھے ہوں گے، لے کر اپنے خدمت گاروں کو عطا کرے گا اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں کا دسواں حصہ لے کر اپنے خواجوں اور خادموں کو دے گا اور تمہارے نوکر چاکروں اور لونڈیوں اور تمہارے نکلیں جو انوں اور تمہارے گدھوں کو لے کر اپنے کام پر لگائے گا اور وہ تمہاری بھیڑ بکریوں کا بھی دسواں حصہ لے گا۔ سو تم ان کے غلام بن جاؤ گے اور تم اس دن اس بادشاہ کے سب سے، جسے تم نے اپنے لیے چنا ہوگا فریاد کرو گے، پر اس دن خداوند تم کو جواب نہ دے گا۔ تو بھی لوگوں نے سموئیل کی بات نہ سنی اور کہنے لگے نہیں، ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں، جو ہمارے اوپر ہوتا کہ ہم بھی اور قوموں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہماری طرف سے لڑائی کرے...

خداوند نے سموئیل کو فرمایا، تو ان کی بات مان لے اور ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر۔“ (باب ۱۵ آیت ۸ تا ۲۲)

”پھر سموئیل لوگوں سے کہنے لگا... جب تم نے دیکھا کہ بنی عمون کا بادشاہ ناس تم پر چڑھ آیا، تو تم نے مجھ سے کہا کہ ہم پر کوئی بادشاہ سلطنت کرے، حالانکہ خداوند تمہارا خدا تمہارا بادشاہ تھا۔ سو اب اس بادشاہ کو دیکھو، جسے تم نے چن لیا اور جس کے لیے تم نے درخواست کی تھی۔ دیکھو خداوند نے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر تم خداوند سے ڈرتے اور اس کی پرستش کرتے اور اس کی بات مانتے رہو اور خداوند کے حکم سے سرکشی نہ کرو اور تم اور وہ بادشاہ بھی، جو تم پر سلطنت کرتا ہے، خداوند اپنے خدا کے پیرو بنے رہو، تو خیر، پر اگر تم خداوند کی بات نہ مانو، بلکہ خداوند کے حکم سے سرکشی کرو، تو خداوند کا ہاتھ تمہارے خلاف ہوگا، جیسے وہ تمہارے باپ دادا کے خلاف ہوتا تھا... اور تم جان لو گے اور دیکھ بھی لو گے کہ تم نے خداوند کے حضور اپنے لیے بادشاہ مانگنے سے کتنی بڑی شرارت کی... اب رہائیں، سو خداوند نے تمہارے لیے دعا کرنے سے باز آ کر خداوند کا گنہ گار ٹھہروں، بلکہ میں وہی راہ، جو اچھی اور سیدھی ہے، تم کو بتاؤں گا۔“ (باب ۱۲-۱۳ آیت ۱۲ تا ۲۳)

کتاب سموئیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں اس مقام پر سرداران بنی اسرائیل کے اس مطالبے کی مذمت کیوں نہیں کی گئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس قصہ کا ذکر جس غرض کے لیے کیا ہے، اس سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے کہ ان کا مطالبہ صحیح تھا یا نہ تھا۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے اور ان میں کس قدر نفسانیت آ گئی تھی اور ان کے اندر اخلاقی انضباط کی کتنی کمی تھی، جس کے سبب سے آخر کار وہ گمراہ ہو گئے۔ اور اس ذکر کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اندر یہ کمزوریاں پرورش نہ کریں۔

قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

طالوتؑ کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے: ”ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے۔“ نبی نے جواب دیا: ”اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔“ اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ ”خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا، جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے، جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں،

[۲۶۹] بائبل میں اس کا نام ساؤل لکھا ہے۔ یہ قبیلہ بن یمن کا ایک ۳۰ سالہ نوجوان تھا۔ ”بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔“ {اللہ تعالیٰ کے اشارے پر} سموئیل نبی اسے اپنے گھرانے، تیل کی کچی لے کر اس کے سر پر انڈیلی اور اسے چوما اور کہا کہ ”خداوند نے تجھے مسح کیا تاکہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو۔“ اس کے بعد انہوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع عام کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا۔ (۱- سموئیل، باب ۹، ۱۰)

یہ بنی اسرائیل میں دوسرا شخص تھا، جس کو خدا کے حکم سے ”مسح“ کر کے پیشوائی کے منصب پر مقرر کیا گیا۔ اس سے پہلے حضرت ہارون سردار کاہن (Chief Priest) کی حیثیت سے مسح کیے گئے تھے، اس کے بعد تیسرے مسح یا مسیح حضرت داؤد علیہ السلام ہوئے، اور چوتھے مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ لیکن طالوت کے متعلق ایسی کوئی تصریح قرآن یا حدیث میں نہیں ہے کہ وہ نبوت کے منصب پر بھی سرفراز ہوا تھا۔ محض بادشاہی کے لیے نامزد کیا جانا اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ اسے نبی تسلیم کیا جائے۔

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۰﴾
 فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
 فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْ إِلَّا
 مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۖ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ط فَلَمَّا

اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں [۲۴۰] اگر تم مومن ہو، تو یہ تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے۔ ع
 پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا، تو اس نے کہا: ”ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے
 والی ہے۔ جو اس کا پانی پیے گا، وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے، ہاں ایک
 آدھ چلو کوئی پی لے، تو پی لے۔“ مگر ایک گروہ قلیل کے سوا وہ سب اس دریا سے سیراب ہوئے [۲۴۱] پھر جب

[۲۴۰] بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے۔ تاہم اس سے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی
 ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صندوق، جسے بنی اسرائیل اصطلاحاً ”عہد کا صندوق“ کہتے تھے، ایک لڑائی کے موقع پر فلسطی مشرکین
 نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا۔ لیکن یہ مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا، وہاں وہ بائیں پھوٹ پڑیں۔ آخر کار انہوں نے
 خوف کے مارے اسے ایک تیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا۔ غالباً اسی معاملے کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس
 وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا، کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام
 تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔ رہا یہ ارشاد کہ ”اس صندوق میں تمہارے لیے سکون قلب کا سامان ہے“، تو بائبل
 کے بیان سے اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس کو بڑا متبرک اور اپنے لیے فتح و نصرت کا نشان سمجھتے تھے۔ جب وہ ان
 کے ہاتھ سے نکل گیا، تو پوری قوم کی ہمت ٹوٹ گئی اور ہر اسرائیلی یہ خیال کرنے لگا کہ خدا کی رحمت ہم سے پھر گئی ہے اور اب ہمارے
 برے دن آگئے ہیں۔ پس اس صندوق کا واپس آنا اس قوم کے لیے بڑی تقویت قلب کا موجب تھا۔ یہ ایک ایسا ذریعہ تھا، جس سے ان
 کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ سکتی تھیں۔

”آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات“ جو اس صندوق میں رکھے ہوئے تھے، ان سے مراد پتھر کی وہ تختیاں ہیں،
 جو طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دی تھیں۔ اس کے علاوہ تورات کا وہ اصل نسخہ بھی اس میں تھا، جسے حضرت موسیٰ نے خود لکھوا کر بنی
 لاوی کے سپرد کیا تھا۔ نیز ایک بوتل میں من بھی بھر کر اس میں رکھ دیا گیا تھا تا کہ آئندہ نسلیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کریں، جو صحرا
 میں اس نے ان کے باپ دادا پر کیا تھا۔ اور غالباً حضرت موسیٰ کا وہ عصا بھی اس کے اندر تھا، جو خدا کے عظیم الشان معجزات کا مظہر بنا تھا۔
 [۲۴۱] ممکن ہے اس سے مراد دریائے اردن ہو یا کوئی اور ندی یا نالہ۔ طالوت بنی اسرائیل کے لشکر کو لے کر اس کے پار اترنا
 چاہتا تھا، مگر چونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی قوم کے اندر اخلاقی انضباط بہت کم رہ گیا ہے، اس لیے اس نے کارآمد اور ناکارہ لوگوں کو امتیاز
 کرنے کے لیے یہ آزمائش تجویز کی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ تھوڑی دیر کے لیے اپنی پیاس تک ضبط نہ کر سکیں، ان پر کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے
 کہ اس دشمن کے مقابلے میں پامردی دکھائیں گے، جس سے پہلے ہی وہ شکست کھا چکے ہیں۔

جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
 وَجُنُودِهِ ۗ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَرِّمٍ ۖ فَمِنْ
 قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴﴾
 وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
 وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَهَزَمُوهُمْ
 بِإِذْنِ اللَّهِ قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ
 وَعَلَّمَهُ مَتَا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّا

طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے، تو انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں
 جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے [۲۴] لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن
 اللہ سے ملنا ہے، انہوں نے کہا: ”بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر
 غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔“ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے
 پر نکلے، تو انہوں نے دعا کی: ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جمادے اور اس کافر
 گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔“ آخر کار اللہ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو مار بھگا یا اور داؤد [۲۵] نے
 جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا، اس کو علم دیا۔ اگر
 اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا،

[۲۴] غالباً یہ کہنے والے وہی لوگ ہوں گے، جنہوں نے دریا پر پہلے ہی اپنی بے صبری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔

[۲۵] داؤد علیہ السلام اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے۔ اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے، جب کہ
 فلسطین کی فوج کا گراں ڈیل پہلوان جالوت (جو لیت) بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا اور اسرائیلیوں میں سے کسی
 کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کے مقابلے کو نکلے۔ حضرت داؤد یہ رنگ دیکھ کر بے محابا اس کے مقابلے پر میدان میں جا پہنچے اور اس کو قتل
 کر دیا۔ اس واقعے نے انہیں تمام اسرائیلیوں کی آنکھوں کا تارا بنا دیا، طالوت نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور آخر کار وہی اسرائیلیوں
 کے فرماں روا ہوئے۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سمونیل اول۔ باب ۱۷ اور ۱۸)

لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ
 آيَةُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾
 تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ
 مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ
 الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ
 مِنْ بَعْدِهِمْ مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا
 فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا

تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، [۲۷۴] لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفعِ فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

یہ اللہ کی آیات ہیں، جو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو سنارہے ہیں اور اے محمد، تم یقیناً ان لوگوں میں سے ہو، جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے، اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے۔ مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے، اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں، اللہ چاہتا، تو وہ ہرگز نہ لڑتے،

[۲۷۴] یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لیے یہ ضابطہ بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں کے مختلف گروہوں کو ایک حد خاص تک تو زمین میں غلبہ و طاقت حاصل کرنے دیتا ہے، مگر جب کوئی گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے، تو کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے وہ اس کا زور توڑ دیتا ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ ایک قوم اور ایک پارٹی ہی کا اقتدار زمین میں ہمیشہ قائم رکھا جاتا اور اس کی قہر مانی لازوال ہوتی، تو یقیناً ملک خدا میں فساد عظیم برپا ہو جاتا۔